Article

A Review :The Male Characters by Indian Women in Urdu Afsana

بھارتی خواتین کے اردو افسانوں کے مردانہ کردار

Munir Abbas Sipra*[1]
PhD Scholar, Department of Urdu , Minhaj University, Lahore
Dr.Samia Ahsan [*2]
Assistant Professor, Department of Urdu, Minhaj University,Lahore

منیر عباس سپرا*[1]
پی ایچ ڈی اردو سکالر، شعبہ اردو، منہاج یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر سامیہ احسن*[2]
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، منہاج یونیورسٹی لاہور

Correspondance:munirsipra9810@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 21-10-2024
Accepted:24-12-2024
Online:25-12-2024

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: From the beginning, women Afsana writers of Urdu have been walking side by side with male Afsana writers in the field of fiction. Women have interpreted society and life From the beginning, women Afsana writers of Urdu have been walking side by side with male Afsana writers in the field of fiction. Women have interpreted society and life through different characters in their Afsana. Indian women Afsana writers have contributed to Urdu literature. Among them are many well-known women Afsana writers like Ismat Chaghtai, Quratul Ain Haider, Jilani Bano, Wajida Tabasim, Renu Bahl, Salma Sanam etc. These women have played male characters. They have presented the majority of male characters in a negative way, but there are also contradictions in their attitudes towards men. Generally, men are targeted in their Afsana. Indian culture has created male characters according to socio-

economic conditions and times.

KEYWORDS: Urdu Afsana, Indian women, After Partion, Male Character, Different Periods, Different Regions Most Nagtive Character. literary criticism, globalization insight.

اردو ادب میں خواتین تخلیق کاروں کی اہمیت مسلم ہے۔ اگر ہم اردو کے افسانوی ادب کا مطالعہ کریں تو خواتین کی ادبی و علمی خدمات سے چشم پوشی یا اس سے انحراف ایک غیر منصفانہ رویہ ہو گا کیوں کہ اردو ادب خواتین افسانہ نگاروں کی ایک مکمل تاریخ بیان کرتا ہے۔ اگر ابتدائی دور سے اردو افسانے کا جائزہ لیں تو خواتین افسانہ نگاروں کی ایک طویل فہرست ہمارے سامنے آتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خواتین افسانہ نگاروں کے تذکرے کے بغیر افسانہ نگاروں کی تاریخ مرتب کرنا کسی طرح بھی درست نہ ہے۔ اگر مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے بشمول پاپولر فکشن، (وہ عام فہم کہانیاں جو ڈائجسٹ، رسائل اور اخبارات وغیرہ میں شائع ہو کر عام قارئین میں مقبولت حاصل کرتی ہیں) دیکھا جائے تو مردوں سے خواتین افسانہ نگاروں کی تعداد کم نہیں ہو گی۔

ماقبل تقسیم ہند اور بعد کی خواتین افسانہ نگاروں کی تخلیقات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو کی خواتین افسانہ نگاروں نے مردوں کے شانہ بشانہ اردو افسانہ نگاری میں اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور اپنے منفرد اسلوب اور وسیع تر انسانی تجربات و مشاہدات کی بنا پر اردو افسانے کو بے پناہ وسعت دی ہے۔ جہاں تک بھارت کی خواتین افسانہ نگاروں کے مردانہ کرداروں کا تعلق ہے، انہوں نے اپنے افسانوں میں مردوں کے کئی روپ پیش کیے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد بھارتی خواتین افسانہ نگاروں نے ایک بڑا نام عصمت چغتائی کا آتا ہے۔ انہوں نے افسانوی ادب میں اپنی الگ پہچان بنائی۔ ان کے ناول ،ناولٹ اور افسانوں کے مجموعے آج بھی اسی طرح مقبول عام ہیں۔ عصمت چغتائی نے اپنے افسانوں میں ہندوستان کے متوسط اور نچلے طبقے کی نمائندگی زیادہ کی ہے، انہوں نے افسانوں میں انہی طبقات سے کردار تخلیق کیے ہیں اور اپنے کرداروں کے ذریعے سماجی خرابیوں، انسان کی ضرورتوں اور خواہشات کو واضح کیا ہے۔ ان کے کردار چاہے وہ مردانہ ہوں یا نسوانی وہ اپنے سماج سے ہی حاصل کر کے حقیقی رنگ میں پیش کیے ہیں۔ ان کے افسانوں میں مرد کردار اکثر پدرشاہی نظام کی علامت کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ کردار خواتین کی زندگیوں پر حاوی ہوتے ہیں اور ان کے فیصلے ان کی قسمت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ عصمت چغتائی نے مرد کرداروں کے ذریعے پدرشاہی نظام کی خامیوں اور خواتین کی مظلومیت کو اجاگر کیا ہے۔

عصمت چغتائی کے مرد کردار انسانی فطرت کی پیچیدگیوں کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں مرد کردار اپنی کمزوریوں، خوف اور ناکامیوں کے ساتھ دکھائے جاتے ہیں، جو ان کے انسانی پہلو کو سامنے لاتے ہیں۔ یہ کردار

انسانیت کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے اور ان کی حقیقت کو جانچنے میں مدد دیتے ہیں۔ عصمت کے ایسے ہی مرد کردار ان کے اکثر افسانوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ان کا افسانہ ' بھول بھلیاں' کا ''صلاح الدین عرف صلو''، افسانہ ' پنکچر' کا ''منظور اور دوسرا مرد کردار ''وہ''، افسانہ 'دو ہاتھ' کے مرد کردار '' رام او تار اور رتی رام'' وغیرہ ان کی بہترین مثالیں ہیں۔

عصمت چغتائی کا افسانہ ''دو ہاتھ'' میں ہندوستانی سماج کے متوسط طبقے کی ترجمانی کی گئی ہے۔' رام او تار' اس کہانی کا مرکزی مرد کردار ہے۔رام او تار کی شادی ہوتے ہی سال بھر میں فوج سے اس کی پکار آجاتی ہے۔اس کے جاتے وقت تک اس کی بیوی کے ہاں بچے کی کوئی امید نہ تھی۔اب رام او تار تین سال بعد جنگ سے واپس آ رہا ہے۔اسے تار کے ذریعے آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک بچے کا باپ بن گیا ہے۔شادی کے فوراً بعد رام اوتار کام پر چلا گیا تھا۔اب تین سال بعد واپس آرہا ہے تو اس کا دو تین ماہ کا بیٹا ہے۔رام او تار کی بیوی گوری نے مہترانی کے دیور کے لڑکے 'رتی رام' سے ناجائز تعلقات بنالیے جو ان کے پاس مہمان بن کر آیا تھا۔چغتائی لکھتی ہے:

> ''اب گوری اور رتی رام کو روکنے والا کوئی نہیں تھا۔لیکن بہو کا جسم دال میں کالے کو نہ چھپاسکا اور حمل ٹھہر گیا۔لوگوں نے سمجھایا کہ صفائی کرا دو۔ دو دن میں ہو جاتی ہے۔ لیکن مہترانی نے کہا۔ "بہو بھولی ہے۔ بڑی بڑی شریف زادیوں سے بھی غلطی ہو جاتی ہے۔''(۱)

عصمت چغتائی نے مرد کردار ' رتی رام 'کو ایک مطلبی، فحش اور منافق قسم کا انسان دکھایا ہے۔یہ بندہ فقط اپنی تائی سے ملنے آیا تھا۔مگر پیاسی گوری نے اسے پھسلا لیا۔اور یہ بھی بغیر سوچے سمجھے کہ میرے چچازاد بھائی کی بیوی ہے۔ عصمت چغتائی نے' رام او تارا' کے چچازاد کزن 'رتی رام' کو اس قدر گھٹیاد کھایا گیا ہے کہ وہ اپنی بھابھی ، جسے ہندوستانی معاشرے میں ماں کا درجہ دیا جاتاہے اس کے ساتھ خلط ملط کرتے بتایا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ رتی رام کی چچی بھی اس کو روکنے سے باز رہی اور اپنی بہو کی کارستانیوں کو چھپاتی رہی۔یہاں رتی رام کو ایسا کردار دکھایا گیا ہے کہ جس سے اس کی چچی بھی کسی مصلحت یا کسی انجانے ڈر سے ایسی خوف زدہ ہے کہ اس کے سامنے بولنے سے قاصر ہے۔رام اوتار کے آتے ہی رتی رام جا چکا تھا۔اب گوری ہر وقت رام اوتار کی خدمت میں مصروف ہو گئی ہے۔

عصمت چغتائی کے ہاں مرد جنسی رجحان کی طرف زیادہ مائل نظر آتے ہیں لیکن وہ ان مردوں کو عورت کے استحصال کا موجب کلی طور پر قرار نہیں دیتی بلکہ وہ عورت کو بھی اس غلطی میں برابر شریک سمجھتی ہے۔' رام اوتار' کو ایک حد سے زیادہ بھولا، نادان، مفلس اور دلال قسم کا مرد کردار بناکر پیش کیا گیا ہے۔ عصمت چغتائی نے اس

کردار کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ مفلسی کے مارے 'رام اوتار' کو اس بچے کی پیدائش پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اوپر سے وہ کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں رتی رام بھی تو اپنا ہی خون ہے۔

مصنفہ نے یہ انتہائی مجبور کردار پیش کیا ہے۔ جس کا عزت، غیرت سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ معاشرے میں مرد کے کردار کو اخلاقی پستیوں کی گہرائی میں گرتے ہوا دکھایا گیا ہے، عورت کے کسی مرد سے ناجائز تعلقات کو بھی اس عورت کے شوہر کے ذمے لگایا ہے۔ عصمت اپنے مرد کرداروں کی بنت میں ان کے جذبات اور نفسیات کا خاص خیال رکھتی ہیں۔ محبت کے جذبات عصمت کے افسانوں میں موجود ہیں لیکن افلاطونی عشق کا تصور نہیں ہے۔ ان کے اکثر مرد کردار ہر جائی اور بے وفا فطرت کے ہیں لیکن عورت کے ہاں بھی وہ روایتی عشق نہیں ملتا جو جان کا روگ بن جائے۔ انہوں نے زیادہ تر اپنے کرداروں کے جنسی جذبات کو کھل کر بیان کیا ہے۔ عصمت مرد کی فطرت میں محبت کے افلاطونی پہلو کے بجائے اس کے جنسی پہلو کو اہمیت دیتی ہیں۔ یہ رجحان ان کی تحریروں میں مختلف انداز میں آتا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں ان پر فرائڈ کے نظریات کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں، البتہ مشرقی ماحول کے مطابق ان کے مرد، عورتوں پر حاوی نظر آتے ہیں اور پدری معاشرتی پابندیاں اس احساس کو وقت کے ساتھ ساتھ پختہ کرتی چلی جاتی ہیں۔ بعض نقادوں نے عصمت کی جنسی موضوعات کے طلسم میں گرفتار رہنے کو حقیقت نگاری سے تعبیر کرتے ہوئے ان کے اس جرات مندانہ اقدام کو ایک صحت مند روایت قرار دیا ہے۔ لیکن بعض تنقید نگاروں نے عصمت کو اس حوالے سے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ مثلا فخر الاسلام اعظمی لکھتے ہیں:

> ''اس میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ جنس زندگی کی اہم ضرورت ہے اور شائستہ اور مہذب انداز میں سنجیدہ جنسی حقائق کی طرف اشارہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عصمت کی طرح جنسی آسودگی کو تمام دکھوں کا علاج سمجھنا جذبات میں اشتعال پیدا کرنے کیلئے جنسی اشکال کی تصویر کشی کرتا اور جنسی باتوں کو چارہ لے کر بیان کر نا کسی طرح مناسب قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جہاں عصمت کا مقصد جنس نگاری کی آڑ میں معاشرتی اقدار کو توڑنے اور گرم جملے لکھ کر مردوں کے جنسی میلانات کو متحرک کرنے کی حد تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ وہاں ان کا فن حقیقت نگاری کی بجائے فحش لذتیت سے ہمکنار نظر آتا ہے۔''(۲)

عصمت چغتائی کے کرداروں کو فحش لذتی کہیں یا کچھ بھی کہہ دیں لیکن یہ ماننا پڑے ہے کہ ان کے جنسیت میں ڈوبے مرد کردار اردو ادب میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کی تحریریں جنسیت کے موضوع کو جرات مندانہ انداز میں پیش کرتی ہیں اور سماجی و ثقافتی حدود کو چیلنج کرتی ہیں۔ عصمت کے مرد کرداروں کی جنسیت نہ صرف ان کی ذاتی زندگیوں کو

متاثر کرتی ہے بلکہ ان کے ذریعے قاری کو انسانی نفسیات اور سماجی مسائل کی گہرائی میں جھانکنے کا موقع بھی فراہم کرتی ہے۔ عصمت چغتائی کی تحریریں آج بھی اردو ادب میں اہمیت کی حامل ہیں اور جنسیت کے موضوع پر بات کرنے کی جرات اور اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں۔

عصمت کے مرد کردار ' رام اوتار اور رتی رام'(دو ہاتھ) اور 'اکبر اور ریاض' ایک ہی کیٹاگری کے ہیں۔ ان مرد کرداروں میں مرد کو ٹھنڈی سوچ کا اور دوسرے کردار کو ان کی بیویوں کے ساتھ تعلقات قائم کرکے دکھایا گیا ہے۔ مصنفہ نے ان کرداروں سے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کسی بھی عورت کے کسی اور نامحرم مرد کے ساتھ تعلقات میں کسی نہ کسی دوسرے مرد کی معاونت، سہولت کاری یا پھر نیم رضامندی ضرور شامل ہوتی ہے۔ یہ جرم اکیلے عورت کے ذمے نہیں جاتا۔

'رتی رام اور ریاض' کی طرح عصمت کے ایک اور افسانہ 'چٹان' کا مرکردار 'بھیاجی' بھی اپنی بیوی کی بجائے دوسری عورتوں میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ عصمت کے ہاں ایسے مرد کرداروں کی کثرت پائی جاتی ہے جو ناجائز تعلقات میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ افسانہ 'عشق پر زور نہیں' کا مرد کردار 'واجد' بھی اس کی عمدہ مثال ہے جو ایک لڑکی سے ناجائز تعلقات قائم کرلیتا ہے جب اسے پتا چلتا ہے وہ حاملہ ہے بھر تعلق سے انکاری کی کوشش کرتا ہے۔ عصمت کے ہاں پدری سماج کی منافقت اور مردوں کی حاکمیت بے روی میں بدل جاتی ہے۔ پھر سپریڈنٹ کا بیٹا واجد (عشق پر زور نہیں) جیسے کردار جنم لیتے ہیں جو اپنی سماجی طاقت سے عورت کو مغلوب بنا کر جنسی استحصال کرتے ہیں۔

ویسے عصمت چغتائی کے مرد کردار جنسیت کی مختلف پرتوں کو عیاں کرتے ہیں۔ اس کی جنسی خواہشات اور ان کی تکمیل کی جدوجہد کہانی کا مرکزی نقطہ رہتا ہے۔ ان کے مرد کی شخصیت میں جنسیت اور اس کی پیچیدگیوں کو باریکی سے پیش کیا جاتا ہے۔ ان کے مرد کرداروں کی جنسیت ان کی ذہنی اور جذباتی کیفیت کو گہرائی سے متاثر کرتی ہے۔ یہ کردار اکثر اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل میں ناکامی پر مایوسی اور تناؤ کا شکار بھی ہوتے ہیں۔ عصمت کے مرد کرداروں کی جنسیت سماجی اور ثقافتی حدود کو چیلنج کرتی ہے۔ ان کی کہانیاں اُس دور کی سماجی روایات اور جنسی ممنوعات کو بے نقاب کرتی ہیں۔ ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ عصمت چغتائی کے مرد کرداروں کی جنسیت اخلاقی سوالات کو جنم دیتی ہے اور ان کی کہانیاں جنسیت اور اخلاقیات کے درمیان پیچیدہ تعلقات کی عکاسی ہیں۔

عصمت چغتائی کے مرد کرداروں پر مجموعی نظر ڈالیں تو ان میں ہمیں ہندوستان کے پدری سری سماج کے مرد کردار زیادہ نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ مرد ہر طبقے کے نمائندہ بھی نہیں ہیں اگرچہ اس کا تعلق اکثریتی طبقے (متوسط) سے ہے لیکن اس میں جدید تعلیم یافتہ طبقے کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان کے بیشتر مرد کردار کم پڑھے لکھے یا جاہل ہیں۔ جو کچھ پڑھے لکھے ہیں وہ بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ متوسط طبقے کے حوالے سے ان کے یہاں متصبانہ رویہ سامنے آتا ہے۔ وہ اس طبقے کے مرد کو اپنی مخصوص عینک سے دیکھتی ہیں، جس سے ان کی خامیاں تو بہت نمایاں ہو کر نظر آتی ہیں لیکن خوبیاں زیادہ تر نظروں سے اوجھل رہتی ہیں۔ ان ہاں کے تذکیری کرداروں میں عموماً ہمیں کوئی ترقی پسندانہ رجحانات

کا حامل کردار نظر نہیں آتا۔ صرف مشرقی سوچ کے مرد نظر آتے ہیں، جو اپنی پدرانہ سماجی حیثیت کا خوب استعمال کرتے ہیں۔ عصمت کے افسانوں میں جدید زمانے کے کردار نہیں ہیں مگر ان کو دریافت کرنے کی خواہش موجود ہے۔ ان کے ہاں نفسیاتی شعور تو واضح طور پر موجود ہے لیکن وہ جنسی رجحانات تک محدود ہے، ان کے ہاں سیاسی شعور کی کمی پائی جاتی ہے۔ سیاسی شعور کی کمی کی وجہ سے اجتماعی طور پر ان کے افسانوں کے مردانہ کرداروں میں سیاسی اور معاشی عوامل کے اثرات کہیں دکھائی نہیں دیتے۔

عصمت کے افسانوں میں مرد کرداروں کی زندگیوں میں تضاد اور کشمکش کی جھلک ملتی ہے جو ان کی فرد کی آزادی اور خواہشات کے مابین جدوجہد کو ظاہر کرتی ہے۔ عصمت چغتائی کے مرد کرداروں کی اکثر شخصیت میں پراگندگی اور تضاد دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ اپنے جذبات اور خواہشات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور سماج کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ تضاد ان کی داخلی کشمکش اور نفسیاتی الجھنوں کا عکاس ہوتا ہے۔

عصمت چغتائی کے مرد کردار عموماً معاشرتی ذمہ داریوں اور چیلنجز کا سامنا کرتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے اکثر اپنے خوابوں اور خواہشات سے سمجھوتا کرتے ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعے عصمت چغتائی نے معاشرتی توقعات اور فرد کی آزادی کے درمیان کشمکش کو خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں مرد کردار بعض اوقات روایتی مردانگی کے مظہر ہوتے ہیں، جو اپنے روایتی تصورات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں اور اپنی مرضی کی زندگی جینے میں مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ یہ کردار معاشرتی استبداد اور مردانہ حاکمیت کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ عصمت چغتائی کے مرد کردار ان کی افسانوی دنیا کی ایک اہم پرت ہیں جو سماجی، ثقافتی اور نفسیاتی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعے عصمت چغتائی نے نہ صرف مردانہ معاشرتی کردار کی عکاسی کی بلکہ ان کی کمزوریوں اور تضادات کو بھی بے نقاب کیا۔

سجاد حیدر یلدرم اور رضیہ سجاد حیدر کی بیٹی قرۃ العین حیدر نے ترقی پسندوں کے عروج کے زمانہ میں بھی اپنی منزل کو واضح رکھا وہ کسی ایک نظریہ کی طرف نہیں گئی۔ بلکہ اپنے نظریے کو لے کر آگے چلتی رہی۔ ان کے کردار فلسفیانہ اور تاریخی اہمیت کے حامل کردار ہیں۔ ان کے کرداروں میں زمانی حالات اور اس میں ہونے والے تغیرات کو خوب صورتی سے دکھا گیا ہے۔ قرۃ العین ترقی پسندوں کی طرح بندھے ٹکے اصولوں پر اپنے کرداروں کو نہیں ماپتی ان کے کردار آزاد ہیں اور ہر طرح کے گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔

بعض کرداروں کی تشکیل میں قرۃ العین حیدر نے نفسیاتی اصطلاحات کی مدد لی ہے جس کی وجہ سے عام قاری کردار کے باطن سے ناواقف رہتا ہے۔ ترقی پسندوں کے ہوتے ہوئے اپنی شناخت بنانا اور وہ بھی منفرد انداز میں قرۃ العین کی کامیابی ہے اور سب سے بڑی کامیابی ہے۔ کہیں کہیں ان کے افسانوں میں کردار اس طرح گفتگو کرتے کہ فلسفے اور علمیت کے تمام عنوانات پر بحث کرتے نظر آتے ہیں۔ اور اچھا خاصا افسانہ ایک مضمون کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ان کے کردار بال کی کھال اتارتے نظر آتے ہیں۔ افسانے کا

فن اس چیز کا متحمل نہیں ہو سکتا لیکن کہیں فلسفے اور علمیت کے ساتھ افسانے کا فن بھی پورے آب و تاب سے دکھائی دیتا ہے۔ جس کی مثال "کیکٹس لینڈ" افسانے میں ہمیں نظر آتی ہے۔افسانہ" ہاؤسنگ سوسائٹی" کا جمشید سید ایک تاجر ہے، جو نہ جانے ماضی میں کیا کیا عوامل اپنی تجارت میں برتا رہا ہے ، لیکن اسے ذرا بھر بھی اس کا احساس نہیں ہوتا ہے۔یہ کردار افسوس بھی کرتا ہے تو ماضی سے سبق سیکھنے کی بجائے مستقبل سے سمجھوتہ کرنے کا درس دیتا دکھائی دیتا ہے۔جمشید اس معاشرے کا حصہ ہے۔جو اپنی قدیم روایات کو یکسر نظر انداز کر کے نئی دنیا میں اس قدر گم ہو جاتے ہیں کہ ان کی حقیقی شناخت بھی اس میں کھو جاتی ہے۔ اسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوگ کیا کہتے ہیں بلکہ وہ مستقبل میں اپنی دنیا بنانے کے چکر میں سرگرداں دکھائی دیتا ہے۔جمشید مکار آدمی ہے۔وہ اپنے ذہن سے ایسے ایسے خیالات لاتا ہے کہ مکرو فریب کی دنیا بھی ایسے خیالات سن کر لرز جائے۔پورے افسانے میں یہ کردار چھایا ہوا۔ قرۃ العین حیدر نے اس کردار کے ذریعے تمام راز و نیاز کی باتیں کی ہیں۔یہ کردار ایک سفاک کردار ہے جو بلیک مارکیٹ کا نمائندہ ہے۔جو غلط کام کی بھی اپنے آپ کو مطمئن کرنے کیلئے ایک وضاحت رکھتا ہے۔وہ جو کہتا ہے،اس کی مصنفہ یوں منظر کشی کرتی ہیں:

> " آج کی دنیا ایک بہت عظیم الشان بلیک مارکیٹ ہے۔جس میں ذہنوں، دماغوں ، دلوں اور روحوں کی اعلیٰ پیمانے پر خرید و فروخت ہوتی ہے۔بڑے بڑے فنکار ، دانش در عینیت پسند اور خدا پرست ، میں نے اس چور بازار میں بکتے دیکھے ہیں۔میں خود ان کی خرید و فروخت کرتا ہوں۔"(۳)

جمشید سید کا کردار ایک ایسا کردار ہے جو اپنے برے کاموں کی وجہ سے شرمندہ ہونے کی بجائے اس میں مگن دکھائی دیتا ہے۔ریحانہ نگہت لکھتی ہیں کہ:

> "ہاؤسنگ سوسائٹی میں تقسیم سے پہلے کی ہندوستانی تہذیب اور تقسیم کے بعد کی پاکستانی تہذیب و معاشرت ، جو افسانہ نگار نے اپنے تقریباً دس سالہ قیام کے دوران وہاں دیکھی تھی۔اس کے مختلف پہلوؤں کو ان کے حقیقی رنگ میں ظاہر کیا ہے۔اس افسانے میں نئی جہات کی نشاندہی ملتی ہے۔اس کا ایک کردار جمشید نئے افکار و خیالات کا اظہار کرتا ہے۔اور اپنی قدیم تہذب اور جاگیر دارانہ اقدار کو یکسر فراموش کر دیتا ہے۔"(۴)

جمشید سید کا کردار جدید فکر کا بھی نمائندہ ہے۔جو پرانے زمانے کے خیالات، رسم ورواج اور قدیم سماجی اقدار کو نظر انداز کر دیتا ہے۔وہ ہر چیز کو جدیدیت کی عینک سے دیکھتا ہے اور نئے نئے پہلو نکالتا رہتا ہے۔روایتی سوچ کو یکسر فراموش کر دیتا ہے۔

افسانہ '' نظارہ درمیان ہے '' میں ایک مہذب اور پڑھا لکھا نوجوان ایک گانے والی سے محبت کرتا ہے ، اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔یہ مرد کردار ایک مجبور اور زمانے کی روش پر چلنے والا عام کردار ہے ۔جو محبت کر لیتا ہے ، لیکن اس کو نبھانے کے لیے اس میں دم خم موجود نہیں ، یہ کردار تو صرف دنیاوی آسائش اور دنیا بنانے کے چکر میں اپنا دماغی سکون بھی برباد کر دیتا ہے۔مرد کردار کی اس بے وفائی پر مغنیہ کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وہ مر جاتی ہے۔وہ جاتے جاتے اپنی آنکھ ایک لڑکی کو عطیہ کر دیتی ہے ، وہ لڑکی اس عاشق کے گھر ملازمہ ہے۔یوں یہ کردار اس مغنیہ سے شادی نہ کرنے کے باوجود اس کی نگاہوں میں ہے۔ آخرکار یہ فلسطینی، اسرائیل کے ہاتھوں مظالم سے تنگ آکر خود کش حملہ کر دیتا ہے۔یوں وہ خود بھی نہیں رہتا لیکن موت کی آغوش میں لیٹنے سے پہلے وہ اسرائیلی جارحیت کا پردہ چاک کر جاتا ہے۔یہ کردار ایک ایسا ہمت والا مرد کردار ہے جو موت سے بھی لذت کشید کرنے کا ہنر رکھتا ہے۔اور معاشرے کا زندہ جاوید اور غیرت مند کردار ہے جو اپنے دفاع کے لیے جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

افسانہ''سنگھار دان '' میں ایک طوائف کی کہانی ہے اور طوائف اسی امید سے ہے کہ اس دلدل سے نکل کر آئی ہے۔بعد میں ایک مکروہ مرد کردار دوبارہ اس طرف دھکیل دیتا ہے۔اس کا منہ بولا بھائی جمن خود اس کی حفاظت کی بجائے راجہ ہزہانس کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے۔اس موقع کی مصنفہ یوں منظر کشی کرتی ہیں:

> ''میں نے متانت سے ہزہانس کو آداب کہا کیا۔انہوں نے گھور کر دیکھا کہ
> بس۔۔۔کیا بتائوں میں لرز کر رہ گئی۔۔۔۔ میرا رنگ فق ہو چکا تھا اور
> میں تھر تھر کانپ رہی تھی ۔ اس عظیم الشان '' تیرتے ہوئے
> روشنیوں کے شہر میں اتھاہ سمندر اور رات کی تنہائی کے بھنور میں
> اس خوفناک راجہ کے سامنے بے بس کھڑی تھی''(۵)

یہ ایک ایسا کردار ہے جو راجہ کے ہاں پلے بوائے کے طور پر کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔' محسن' ایک بد کردار شخص ہے ۔اس افسانے میں جتنے بھی مرد کردار آئے ہیں وہ سارے کے سارے تھوڑی دیر کے لیے مرد پری کے ساتھ گزار کر روانہ ہو جاتے ہیں۔ہزہانس کا کردار بھی ایک ایسا ہی ہے جو طوائف کے ساتھ وقت گزارتا ہے اور اپنے ساتھ یورپ لے جاتا ہے۔

افسانہ ” فوٹو گرافر“ میں” فوٹو گرافر کا کردار‘ ،”آورہ گرد “میں ’نوجوان کا کردار ‘، ”دو سیاح “ میں’ ایم اے مرزا ‘،” روشنی کی رفتار “ میں ’شمعون بن یعقوب ، میخائل بن حنان‘ ،اہم مرد کرداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ قرۃ العین حیدر کے افسانوں کے کرداروں کے حوالے سے مسرت جہاں لکھتی ہیں:

” ان کے کردار متوسط،بالائی طبقے کے ہوتے ہیں برطانوی ہند کا ذکر ہو تو زمین دار،راجے،رانیاں،مابعد آزادی برصغیر کی سوسائٹی میں ہائی کلاس انٹیکول،پروفیسر،انجینئر،ڈاکٹر،سول سروس کے عہدے دار،بزنس مین،فنکار۔۔۔نچلے طبقے کے افراد بھی سماجی ترقی کی سیڑھیوں چڑھنے اور گرنے میں منہمک نظر آتے ہیں۔۔۔مختصر افسانوں میں کرداروں کی بہتات فنی نقطہ نظر سے خراب سمجھی جاتی ہے۔ قرۃ العین حیدر کے افسانوں میں کرداروں بہتات ہے۔۔۔ان کے افسانوں کرداروں کی اکثریت مسلمان افراد کی ہے۔۔۔ان کے کرداروں کی دنیا خاموش اور حزن آمیز ہے۔ان میں ہلچل،بے چینی،اضطراب نہیں ہے“(۶)

قرۃ العین حیدر کے مرد کردار کسی ایک رجحان یا کسی ایک میدان یا کسی ایک نظریہ یا فکر کے پابند نہیں نظر آتے،ان کے ہاں اکثریت معاشی لحاظ سے درمیانہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔اگر کوئی نچلے طبقے کے ہیں تو وہ بھی ترقی کی منازل کے مسافر لگتے ہیں البتہ ان کے کردار پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے ہیں۔بحث ومباحثہ کرنا،علمی و فکری گفتگو کرنا ان کا خاصا ہے۔اگر کوئی ہائی کلاس (ایلیٹ کلاس)کا کردار ہے وہ بھی علمی بات کرے گا اور متوسط طبقے کا نمائندہ ہے وہ بھی انٹیکول اپروچ رکھنے والا کردار ہو گا۔ جس کی عمدہ مثالیں فوٹو گرافر کا کردار(فوٹو گرافر)، نوجوان کا کردار(آورہ گرد) ، ایم اے مرزا(دو سیاح) میں ،شمعون بن یعقوب اور میخائل بن حنان(روشنی کی رفتار) وغیرہ جیسے کردار اسی ذیل میں آتے ہیں۔

قرۃ العین حیدر کے افسانوں کے مرد کردار مختلف علمی، فکری، اور نظریاتی پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ کردار نہ صرف انسانی جذبات اور تجربات کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ وسیع تر سماجی، سیاسی، اور تاریخی مسائل کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں علمی پس منظر کے حامل مرد کردار نظر آتے ہیں۔ یہ کردار تعلیم یافتہ اور علمی میدان میں نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں مرد کردار اکثر دانشور، پروفیسر ، یا تعلیمی اداروں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ کردار علمی مباحثوں اور فکری گفتگو میں ملوث ہوتے ہیں جو ان کی تعلیم و تربیت کی عکاسی کرتے ہیں۔

قرۃ العین حیدر کے بعد بھارتی خواتین فسانہ نگاروں میں ایک اہم نام **جیلانی بانو** کا بھی آتا ہے۔ ان کے والد علامہ حیرت بدایونی اور ان کے دادا فارسی واردو کے شاعر و عالم تھے۔جیلانی بانو کو ادبی ماحول ورثے میں ملا تھا ۔انھوں نے افسانوی ادب میں ان افسانوں میں جیلانی بانو نے کردار کی مرکزیت پر اہمیت دی ہے۔ وہ

مرکزی کرداروں کو احساس اور جذبے کی آمیزش سے خوب صورت بناتی ہیں۔جیلانی بانو معاشرتی طبقات اور اس کی خرابیوں پر بہت سیر حاصل بات کی ہے۔جیلانی بانو کے مرد کردار امیر،غریبی کے بھید بھاؤ کو اچھی طرح واضح کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ہمارے معاشرے میں جہاں ایک آدمی کے پاس کروڑوں روپے ہیں اور کروڑوں آدمیوں کے پاس چند روپیہ بھی نہیں۔یہ طبقاتی تقسیم ہی سماجی ناسور ہے۔ان حالات میں غریب کے جینے کا کیا سامان باقی رہے گا۔بعض ایسے مرد کردار بھی دکھائی دیتے ہیں کہ جنہیں سارے دن کی محنت مشقت کا صلہ صرف روٹی کپڑا دیا جاتا ہے۔ایسے مرد کردار جو بظاہر انسان نظر آتے ہیں حقیقت میں جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ان کے افسانے کے مرد کردار 'ادو ' اور'بھورا'ایسی صورت حال کا سامنا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔' ادو 'ایک شریف اور ایماندار لڑکا ہے۔اسے کہیں سے ایک روپیہ ملتا ہے۔تو اسے اندیشے گھیر لیتے ہیں ، کہ کہیں اسے پولیس پکڑ کر نہ لے جائے۔اس کردار کے ذریعے مصنفہ نے غریب لوگوں کی زندگی اور سادگی کو موضوع بنایا ہے اور سماجی،معاشی اور طبقاتی تقسیم کو واضح کیا ہے۔' ادو' جو ایک سادہ اور ایماندار ہے۔اسے اس کا بدلہ اتارنا ہے کیوں کہ دنیا تو ان کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے جو مکر و فریب کا جال بچھاتے ہیں۔' ادو' بیچارہ اپنی مالکن کو جاکر بتاتا ہے کہ یہ روپیہ اسے گیٹ سے ملا ہے الٹا مالکن اسے چور سمجھ کر مارتی ہے ، کہ اس نے مزید کتنے روپے چرائے ہیں۔ادو کے کردار کے ذریعے سرمایہ درانہ نظام کے کھوکھلے چہرے کو دکھایا ہے ۔ہمارے معاشرے میں غربت کا دور دورہ ہے۔انسان ایک وقت کی روٹی کے لیے ترستا ہے۔جو ایک روٹی چھین کر کھاتا ہے۔سارے لوگ اسے مارنے پیٹنے لگتے ہیں۔جو اربوں کھربوں ہڑپ کرتے جارہے ہیں،ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔سرمایہ داری نظام میں یہ بڑے بڑے چور ایک دوسرے کا تحفظ کرتے ہیں،استحصال صرف غریب مزدور کا کیا جاتا ہے۔ایسے مرد کردار معاشرے کا زندہ اور جیتے جاگتے کردار ہیں۔جو معاشرے میں اپنے وجود کی بقا کیلیے جدوجہد کرتا دکھائی دیتے ہیں۔لیکن معاشرے کے بے رحم اصول اسے کہیں کا نہیں چھوڑتے اور اس قدر ظلم کرتے ہیں کہ اسے اپنا ہوش نہیں رہتا۔یہی صورت بھورا کے ساتھ ہوتی ہے۔یہ انتہائی مفلس کردار ہے۔

جیلانی بانو کا افسانہ '' ریل کی پٹڑی پر پڑی ہوئی کہانی'' کا مرد کردار' بھورا' غربت سے نڈھال کردار ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار چھوٹی اور بھورا ہیں۔چھوٹی جو کہ دراصل بھیک مانگنے والوں میں سے تھی جسے دیہات کے چند اوباش لڑکے اٹھا کے لے جاتے ہیں اور چند راتوں کے بعد اسے ریل کی پٹڑی پر بے ہوشی کی کیفیت میں پھینک جاتے ہیں۔اسی اثناء میں بھورا جو ریلوے اسٹیشن پر لوگوں کے جھوٹے کھانے لینے آتا ہے اور چھوٹی کو لاوارث سمجھ کر کھانا کھلاتا رہتا ہے اور کچھ دن بعد چھوٹی اور بھورا کی شادی ہو جاتی ہے۔ان کے پانچ بچے ہوتے ہیں۔بھورا کا وہی وطیرہ کہ لوگوں کے جھوٹے کھانے لے کر آنا اور بچوں کو کھلانا۔ریل

گاڑی اچانک حادثے کا شکار ہوتی ہے تو چھوٹی وہاں جاتی ہے۔ اسے لگتا ہے کہ بھور امر گیا ہے۔ بھورے کو لاوارث سمجھ کر حکومتی اہلکار بھورے کی تدفین کرتے ہیں۔ جیلانی بانو یوں بیان کرتی ہے:

> ''تیرا نام چھوٹی ہے ۔۔۔۔؟ کیا تیر امر واجنتہ ایکسپریس کے ایکسیڈنٹ میں مرا ہے ؟ایک دن ایک بابور جسٹر لیے اس کے پاس آیا۔اچھا تو کل ریلوے کے آفس آجانا۔۔۔۔تجھے پانچ ہزار روپے ملیں گے۔''(۷)

یہاں مصنفہ نے کمال ہنر مندی سے نچلے طبقے کے معاشی مسائل کو بیان کیا ہے۔ اس بات کا کھلم کھلا اظہار کیا ہے کہ عورت کافی زمانہ کس طرح استحصال کیا جاتا رہا ہے۔ پھر ایک بڑا سوال بھی چھوڑا ہے کہ مفلوک الحال طبقہ کس طرح تقدیر پرست ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس افسانے میں بھی ایک طرف چھوٹی اور بھورا روزی روٹی سے تنگ ہے تو دوسری طرف پانچ بچوں کو بھی جنم دے دیا ہے۔ ان کے نزدیک جو پیدا کرتا ہے وہی پالتا ہے والی ضرب المثل مضبوط دلیل رکھتی ہے۔ مفلسی، معاشی استحصال اور طبقاتی تقسیم والے مرد ان کے افسانوں میں عام دکھائے گئے ہیں۔ بھورا اور ادو ایسے ہی کردار ہیں۔ بانو کا مرد سادہ اور سماجی لحاظ سے کمزور نوعیت کا ہوتا ہے۔ جو کسی کے سہارے سے اپنے معاشی تقاضے پورے کر رہے ہیں۔ دراصل مفلسی انسانی معاشرت کا ایک گہرا اور دیرپا مسئلہ ہے جو سماج اور فرد دونوں پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ یہ مسئلہ نا صرف اقتصادی بلکہ سماجی، نفسیاتی، اور اخلاقی پہلوؤں سے بھی جڑا ہوا ہے۔ مفلسی کی وجہ سے افراد اور خاندان مختلف مشکلات کا سامنا کرتے ہیں، جس کا اثر پورے سماج پر پڑتا ہے، مصنفہ نے اپنے مرد کرداروں کے ذریعے اس اہم سماجی مسائل کو اس طرح پیش کیا ہے کہ ان کے رجحان کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ مردوں کو سماج میں کس زاویہ نظر سے دیکھتی ہیں۔

مصنفہ کے مرد کرداروں کی دوسری کیٹاگری بھی ہے جس میں مرد کسی نہ کسی نفسیاتی الجھن کے شکار نظر آتے ہیں۔ نثار (مجرم)، کمپنی کا ڈائرکٹر (چلی گئی) اور عامر (میں) ایسے ہی کردار ہیں، جو ذہنی خلفشار میں مبتلا ہیں۔ جیلانی بانو کے ذہنی الجھاؤ والے مرد کرداروں کی تشکیل نے افسانوں کو ایک اہم اور متنوع موضوع بنا دیا ہے۔ ان نفسیاتی مرد کرداروں کی تخلیق ہمیشہ سے ہی تخلیق کاروں کے لیے ایک چیلنج اور دلچسپی کا موضوع رہا ہے۔ یہ کردار نہ صرف کہانی کی پیچیدگی کو بڑھاتے ہیں بلکہ انسانی نفسیات اور ذہنی کیفیتوں کو بھی بیان کرتے ہیں۔ ایسے کرداروں کی تشکیل اور ان کے ذریعے کہانی کی پیشکش قاری کو گہرائی میں لے جاتی ہے، جہاں وہ انسانی دماغ کی پیچیدگیوں اور تضادات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی طریقہ مصنفہ نے اپنے افسانوں میں برتا ہے۔ تاریخی طور پر، ذہنی الجھاؤ والے کردار ہمیشہ سے ادب کا حصہ رہے ہیں۔ شیکسپیئر کے "ہیملٹ" سے لے کر دوستوئیفسکی کے "کرائم اینڈ پنشمنٹ" تک، ایسے کرداروں نے انسانی نفسیات کی گہرائی کو بیان کیا ہے۔ ان کرداروں کی ذہنی کیفیت اور ان کے فیصلے کہانی کے مرکزی نقطہ ہوتے ہیں جو کہ قاری کو مشغول رکھتے ہیں۔

جیلانی بانو کے مرد کردار اپنے خیالات، احساسات، اور اعمال میں تضاد محسوس کرتے ہیں۔ ان کی زندگیوں میں فیصلے لینا مشکل ہوتا ہے۔ اکثر ان کرداروں کا ماضی ان کی موجودہ زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ الجھن میں مبتلا ہیں۔ یہی صورت حال جیلانی بانو کے افسانے " مجرم " کے مرد کردار 'نثار' کی ہے۔ یہ مرد کردار ایک عجیب ذہنی الجھن کی صورت حال سے گزر رہا ہے ، جو ایک انجانے خوف میں مبتلا ہے۔ اس کے دل میں ایک خوف ہے اور وہ خوف اس کا نہیں بلکہ اس وقت کے ہر آدمی کا خوف ہے۔ جو فسادات کے موقع پر ہر فرد ہی اس خوف میں مبتلا تھا۔ غیر یقینی کی دنیا میں یہ کردار اس وقت کے تمام معاشرے کی نمائندگی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ' نثار' ایک ایسا حساس آدمی ہے۔ جو معاشرے میں بدلتے اقدار کی وجہ سے خوف زدہ دکھائی دیتا ہے۔ اسے اپنے دوست سے بھی خوف محسوس ہونے لگا ہے۔ عرفان منشی لکھتے ہیں کہ :

> " نثار آخر میں خوف کے مارے سڑک پر بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ وہ ڈپریشن اور گھبراہٹ کو برداشت نہ کر سکا۔ اس کا دوست آتا ہے۔ اس کی حالت بھی ویسی ہی تھی جیسی نثار کی اور دونوں اپنے آپ کو مجرم محسوس کرتے ہیں۔ "(۸)

دونوں کرداروں کا بے ہوش ہو جانا دو افراد کا بے ہوش ہونا بلکہ دو ملکوں اور دو تہذیبوں کا بے ہوش ہے۔ مسلمان اور ہندو دونوں فسادات پر افسردہ دکھائی دیتے ہیں ، اور ایک ہی کرب سے گزرتے نظر آتے ہیں۔

افسانہ " میں " کا' عامر' ایک ایسا مرد کردار ہے جسے اپنی شناخت کا گلہ ہے۔ اس کی ماں اسے پہچاننے سے انکار کر دیتی ہے۔ یہ کردار دراصل ایک ایسا کردار ہے جسے اپنی تہذیب ، معاشرہ پہچاننے سے انکاری ہے۔ وہ کیا زندگی گزارے جسے دنیا کا سب سے عظیم رشتہ اپنے ماں پناہ دینے سے قاصر ہو۔ عامر زندگی کے اس کرب سے گزررہا ہے کہ یہ غم پہاڑ کو بھی دیا جائے تو ٹوٹ کر گر پڑے۔ عامر ایک ایسا کردار ہے، جو اپنے آپ سے خود کلامی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ابھی نہیں ملا ہوں۔ اس کردار کی ذہنی کیفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو پہچاننے سے عاری ہے۔ دوسرے تو اسے پاگل کہتے ہیں ، لیکن اب وہ خود حقیقت میں پاگل ہونے کے قریب ہے۔ جیلانی بانو کے مرد کردار سماجی نفسیات کے ساتھ ساتھ انفرادی نفسیات کی بھی عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں، انہوں نے اپنے مرد کرداروں کے ذریعے حقیقت کو پیش کیا ہے۔ عامر کردار بھی کچھ اسی نوعیت کا ہے۔

ان کے ایسے کردار عموماً جذباتی یا ذہنی طور پر غیر مستحکم ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے فیصلے اور اعمال پیچیدہ اور غیر متوقع ہیں۔ ذہنی الجھاؤ والے مرد کردار نہ صرف کہانی کی پیچیدگی کو بڑھاتے ہیں بلکہ قاری کو انسانی نفسیات کی نئی جہتوں سے بھی روشناس کرواتے ہیں۔ یہ کردار انسانی دماغ کی پیچیدگی، احساسات، اور جذبات کی گہرائی کو ظاہر کرتے

ہیں۔ان کرداروں کی تخلیق قاری کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے اور اسے اپنی زندگی اور تجربات کے ساتھ جوڑتی ہے۔ جیلانی بانو کے ہاں مرد کردار اپنے اندرونی دنیا میں جدوجہد کرتے ہیں، جہاں وہ اپنی خواہشات، خوف، اور امیدوں کے درمیان متوازن رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بھارتی افسانہ نگار **واجدہ تبسم** کی افسانہ نویسی بھی اردو کی ادبی دنیا میں اہم مقام کی حامل ہے۔ان کی افسانہ نگاری کئی مراحل سے گزری ہے۔انہوں نے رومانی موضوعات سے آغاز کیا بعد میں ان کے ہاں وسعت نظر آتی گئی اور وہ حقیقت اور واقفیت سے قریب تر ہوتی گئی۔ پھر حقیقت اور واقفیت کی آمیزش سے ان کی تخلیقات میں عظمت کا رنگ جھلکنے لگا۔ بہ طور شخصیت وہ کسی قسم کے تعارف کی محتاج نہیں کیوں کہ ایک بڑے ادیب کی تخلیقات ہی اس کا تعارف ہوتی ہیں۔واجدہ تبسم کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

واجدہ تبسم کے افسانوں کو پڑھتے ہوئے عموما قاری کو احساس ہوتا ہے کہ انھیں مرد سے نفرت ہے اور کہیں نہ کہیں انتقام کا جذبہ بھی کار فرما نظر آتا ہے۔ صنفی تعصب واضح معلوم ہوتا ہے لیکن ان کے کچھ مرد کردار ایسے بھی ہیں جو مظلوم اور معصوم ہیں۔ سماجی اور معاشی حالات کا شکار ہیں مگر ایسے کردار بہت کم ہیں ان کے پسندیدہ کردار عورتوں کے کردار ہیں جن کی معصومیت اور مظلومیت کو موضوع بنایا ہے۔عورت کی مظلومیت کا موجد و موجب مرد کو ہی بنایا گیا ہے۔

ان کے افسانوں کے مرد کردار افسانہ ' شہر ممنوع' کا ''سید رزاق''، افسانہ ' پیش بند ھی' کا ''نواب ممتاز'' اور افسانہ 'ناگن' کا مرد کردار '' نواب بصارت جنگ عرف بڑی سرکار '' وغیرہ ایسے ہی کردار ہیں۔ان کے اکثر افسانوں میں مرد کو ہوس زدہ اور عورت کو مظلوم بنا کر پیش کیا گیا ہے، مرد کرداروں میں جنسی ہوس کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے۔مرد کو فطرتاً منفی نوعیت کا دکھایا گیا ہے، یہ بات بھی درست ہے کہ اس معاشرے میں مرکزی اہمیت کا حامل مرد ضرور ہے مگر اس کے معنی کیا ہوئے کہ عورت کو ہر مرد، ہی پاؤں کی جوتی سمجھنے لگ جائے۔مرد کو ظلم کے لازم و ملزوم قرار دینا بھی نا انصافی ہے اور صنفی تعصب کا اظہار ہے، مرد بے شک سارے ظالم نہیں ہوتے، اور مرد کو اس قدر شک کی نگاہ سے دیکھنا بھی نا انصافی ہے۔اس کی محبت کو دھوکا اور اس کے ہر عمل کو منافقت قرار دینا کسی طور پر درست اور جائز نہ ہوگا۔

ان کا افسانہ " پیش بند ھی " کا مرکزی کردار نواب ممتاز ہے۔نواب ممتاز کی جب شادی کی جاتی ہے ۔اس وقت دلہن پاشا کے ساتھ ایک پیش بند ھی ہے جس کا نام گل چمن ہے۔یہ دلہن کا ہر طرح کا کام کرنے پر مامور ہوتی ہے۔ایک بار جب نواب ممتاز دلہن کے کمرے میں جانے لگے تو اس سے قبل کمرہ نمبر آمدہ تھا ،جہاں گل چمن بیٹھی تھی۔جس کا حسن دیکھ کر نواب ممتاز رک گئے اور گل چمن کے ہونٹ چاٹ ڈالے پھر گل چمن کہنے لگی نواب صاحب کپڑے اتار دوں، اس پر نواب ممتاز حیران ہو کر کہا کیوں ؟ گل چین نے

کہا آپ کو خوش کرنے کے لیے پھر جب نواب ممتاز نے گل چمن کو کھن کھن کرتے روپے دیئے تو وہ بے تحاشا خوش ہو گئی اور کہا نو اب صاحب ان پیسوں سے تو میرا ایک پورا سال بسر ہو جائے گا اور میرے شوہر بہت خوش ہوں گے۔نواب ممتاز نے دریافت کیا کہ کیا تمہارے شوہر کو اس کا پتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ واجدہ تبسم اس طرح پیش کرتی ہیں:

> ''انہوں نے خود تو مجھے بھیجا ہے کہ نواب کو خوش کرو گی تو اتنے پیسے ملیں گے۔اور وہ دلہن بی بی کی حویلی میں دربان ہیں۔پھر نواب ممتاز گل چمن سے پوچھتا ہے کہ کیا تم پڑھی لکھی ہو۔اس پر وہ جواب دیتی ہے ہاں اتنی پڑھی لکھی تو ہوں جو یہ جان پاؤں کہ چاند چمکتا بھی ہے تو ہم غریبوں کے گھروں میں اندھیرا ہی رہتا ہے۔''(۹)

پھر نواب ممتاز فوراً اپنے گلے سے موتیوں کا ہار اتار کر اسے دیتا ہے اور کہتا ہے تو اسی وقت یہاں سے چلی جا اور یہ دھندہ چھوڑ دے گل چمن وہی ہار پھر نواب ممتاز کے گلے میں ڈال کر کہتی ہے، حضور! اس سے میری پوری زندگی کا گزر بسر ہو سکتا ہے۔مگر حیدر آباد میں کتنی لڑکیاں ہیں جو پیش بندھی بن کر دولہوں کی سیج سجاتی ہیں محض پیسے کی خاطر میری آپ سے التجاء ہے کہ اس لعنت کو ختم کر دیں۔نواب ممتاز کہتا ہے گل چمن میں اکیلے اس خباثت کو کیسے ختم کروں گا۔اس پر گل چمن بہت عمد و انداز سے نواب ممتاز سے کہتی ہے۔آپ کو پتا بھی نہیں نواب صاحب کہ گھپ اندھیرے میں روشنی پھیلانے کو ایک چراغ بہت ہوتا۔

اس افسانے میں واجدہ تبسم نے حیدر آباد دکن کی روایات کو عمدہ انداز سے پیش کیا ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ ان روایات کے پس پر دو کتنے قبیح افعال سر زد ہو رہے ہوتے ہیں ،اس پہ مستزاد یہ کہ یہ کام فخریہ طور پہ بھی کیے جاتے ہیں۔نوابین یہ کام دولت کے نشہ میں کرتے ہیں جبکہ جن کے ساتھ یہ کام ہو رہا ہوتا ہے ان کی بہت ساری مجبوریاں ہوتی ہیں۔یعنی مردانہ سماج میں عورت کا استحصال دیدہ دلیری سے کیا جاتا ہے۔اس کہانی میں مرد کردار کو دیکھا جائے جو نواب ممتاز ہے، جو ایک طرف وہ گل چمن پیش بندھی کا جنسی استحصال کرتا ہے تو دوسری طرف اس کی حالت پر رحم بھی کرتا ہے، اُسے روپے دیتا ہے۔ لیکن سہاگ رات میں ہی اپنی دلہن کے جنسی حقوق سے بھی استحصال کرتا ہے۔دوسرے طرف گل چمن کو دیکھا جائے تو اس کے اندر ایک درد اور کرب ہے۔مصنفہ نے بہت عمدہ انداز سے حیدرآباد دکن میں عورت کے ساتھ ہونے والے استحصالی رویوں کو پیش کیا ہے۔

ان کا افسانہ ''ذرا ہور اوپر '' بھی ایک ایسی ہی کہانی ہے، اس افسانے میں ایک ایسے نواب کی کہانی ہے جو نوکر خانے میں جا کر نوکرانیوں کے ساتھ رات گزارتا ہے۔جب کہ حویلی میں دلہن پاشا ساری رات منتظر

رہتی اور صبح ہو جاتی، وہ ایک رات جب نواب صاحب نوکر خانے سے نکل کے آرہے تو ان کا سارا جسم چمبیلی سے مہک رہا تھا جیسے ہی وہ مسہری پر آکر گرا تو پورا کمرہ خوشبو سے معطر ہو گیا۔اس حوالے سے واجدہ تبسم لکھتی ہیں:

> " فضا میں خوشبو محسوس کر کے پاشادلہن سراپا انگار بن جاتی ہے اور نواب صاحب سے پوچھتی ہے کہ سچی سچی بول دیو آپ کہاں سے آئیں جھوٹ بولنے کی کوشش نکو کرے " نواب صاحب ایک شاندار ہنسی ہنستے ہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت کیا ہے جو تم سمجھے وہ سچ سچ ہے۔گل برف سے آئیں ہیں نا آپ؟وہ معلوم ہے تو پوچھنا کا ہے کو ؟"(۱۰)

واجدہ تبسم نے حیدر آباد دکن کے معاشروں کے ذریعے بتایا ہے کہ عورت نے مزاحمت کیوں کی ؟ جسے انھوں نے بڑی عمدگی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس معاشرے میں عورت کے حقوق سلب کر کے فخر محسوس کیا جاتا تھا۔ پھر آخر بیگم کے سامنے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سارے راز افشاں ہوتے گئے۔ جب دلہن پاشا کو اپنے میاں کے نوکرانیوں کے ساتھ ناجائز تعلقات کا پتا چلتا ہے تو وہ انہی پیش بند ھیوں سے نفرت کرنے لگتی ہے جنھوں نے اس کی خواہشات کو چھین لیا تھا۔پھر دلہن پاشا پیش بندھی سے جسمانی مالش نہیں کروائی بلکہ خوبرو لڑکے سے کرواتی ہے۔جو حویلی میں خادم ہے اور جسمانی لذت اٹھاتی ہے۔

واجدہ تبسم نے اس کردار کے توسط سے حیدر آباد دکن کے معاشرے کے ہیجان انگیز حالات کو پیش کیاہے اور قارئین کو اس تہذیب کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی خرافات کو بیان کیا ہے۔دلہن پاشا جس لڑکے سے مالش کرواتی ہے اس کا نام رحمت ہے۔ جب نواب صاحب کو پتا چلتا ہے تو وہ اسے گاؤں زمینوں کے کام پہ بھیج دیتا ہے لیکن دلہن پاشا کے جسم کا درد پھر بھی حویلی کے خادم سے ختم ہوتا ہے وہ اپنی خادمہ سے کہتی ہے اپنی شرفو کے بیٹے کو اچھا کھلاؤ پلاؤ اس کے ہاتھوں میں دم ہو گا۔تو ہمارے پاؤں دبائے گا۔اس کردار کے ذریعے واجدہ تبسم نے حیدر آباد دکن کے نوابوں کے مکر وہ چہروں کو آشکار کیا ہے۔

اس کہانی میں پدرانہ صنفی معاملات کو کئی طریقوں سے پیش کیا گیا ہے ، بنیادی طور پر نواب صاحب کے کردار کے ذریعے، جسے ایک بد سلوک شوہر کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ایک تو نواب صاحب اپنی اہلیہ پاشا دلہن کے ساتھ صرف چند راتیں گزارنے کے بعد طویل عرصے تک غائب ہو جاتا ہے۔یہ طرز عمل طاقت کے اس احساس کو اجاگر کرتاہے جو نو اب صاحب اپنی اہلیہ پر استعمال کرتا ہے، جہاں وہ اپنی بیوی کے جذبات یا خواہشات کی پرواہ کیے بنا یہ فعل کرتارہتا ہے۔

مرد کرداروں کو جنسی خواہش سے ڈوبے ہوئے بنا کر پیش کیا گیا ہے۔مرد عورت کے تعلق کو جنس سے باہر نکال کر واضح ہی نہیں کیا گیا۔یہ وقت اور سوچ کے بدلاؤ کی ضرورت ہے، مرد کو عورت کو بہ طور انسان دیکھنا ہوگا۔مصنفہ نے مرد کے سارے روپ عورت کا استحصال کرتے دکھائے گئے ہیں ۔ وہ بتانا چاہتی ہے کہ عورت پر مرد جبر کر رہا ہے اور اسی بیانیے کو اپنے افسانوں سے مضبوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔خیالات حالات کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں یہ ہر عہد کے اپنے تقاضے اور حالات کے مطابق شخصی، انسانی روپ سامنے آتے ہیں۔جن کو ہر لکھاری کردار تخلیق کرکے اپنی تخلیقات میں پیش کرتا ہے۔

بھارتی افسانہ نگار **رینو بہل** نے بھی اپنی افسانوی تخلیقات سے لوہا منوایا ہے۔رینو جی کی اکثر کہانیاں بیانیہ تکنیک میں لکھی گئی ہیں۔اردو افسانہ کسی نہ کسی سطح پر منشی پریم چند کے فن سے آج بھی رشتہ استوار کیا ہوا ہے۔انسانیت کی فلاح و بہبود ، نیک مقصد ، ظلم کے خلاف احتجاج، محبت اور اخوت وغیرہ۔غرض ان کی ہر کہانی ایک صالح اور ایماندارانہ پیغام لیے ہوئے ہے۔

لال ذاکر ان کی کہانیوں کے متعلق رقم طراز ہیں:

> "رینو بیل کی کہانیوں پر علیحدہ علیحد رائے نہ دیتے ہوئے اگر مجموعی طور پر کچھ کہا جائے تو میں کہوں گا کہ رینو کی کہانیوں کی زبان بہت سادہ ہوتی ہے اور ان کے کردار عام زندگی سے اخذ کئے گئے ہوتے ہیں۔"(۱۱)

ان کی افسانہ نگاری کو ادبی حلقوں پر بہت سراہا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ابھی تک ان کو ریاستی اور بین الاقوامی سطح پر کئی انعامات سے نوازا جا چکا ہے۔رینو جی کے افسانوں کی سادہ بیانی ، زبان کی دلکش روانی اور موضوع نے انہیں ایک الگ این اور انفرادیت عطا کی ہے۔انہوں نےزیادہ تر عورتوں کی کہانیاں لکھی ہیں۔ان کی ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی عورت یا تو مرکزی کردارہے یا اہم ترین کردار جو پوری کہانی میں رچی ہوئی ہوتی ہے۔اس کے ساتھ انہوں نے مرد کردار بھی ثانوی حیثیت میں ضرور تخلیق کیے ہیں۔جس نے سماج کے کئی مردوں کے مختلف روپ پیش کر دیے ہیں۔

ان کا افسانہ "لفٹ" کی کہانی ایک مرد کردار کی ہے، جو شادی شدہ، دو بچوں کا باپ ہے لیکن وہ دوسری عورتوں میں رغبت رکھتا ہے لیکن شریف النفس انسان ہے، اپنی بے عزتی سے بہت ڈرتا ہے۔۔ایک بار جب دفتر سے گھر جا رہا تو دو عورتوں نے کو لفٹ دے دی، اگلے دن پھر اسی جگہ، اسی وقت پھر لفٹ دے دی، اس نے دوران سفر گیئر بدلا تو اگلی سیٹ والی کی ٹانگ سے ہاتھ لگا لیا، وہ لمس سے ہی لذت محسوس کر لیتا تھا۔یہ عورتیں بہت بولڈ تھیں انہوں نے کہا ہاتھ نہ لگاؤ یہ بتاؤ کہاں جانا ہے چلی جاتی ہوں، انہوں

نے مرد کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا کہ اگر پیسے نہ دیے تو کار میں شور مچا دیں گے، وہ اس دھمکی سے ڈر گیا، مصنفہ اس مرد کردار کی اس کیفیت کو مصنفہ یوں بیان کرتی ہیں :

"ان کی دھمکی سے وہ گھبرا گیا۔اُسے معلوم تھا اب وہ بری طرح پھنس چکا ہے۔مجبوراً اُس نے جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکالا اور اُس کی اور بڑھا دیا۔نوٹ پکڑتے وہ مسکرائی۔یہ بے ارادہ چھونے کی فیس ہے یہ کہتے ہوئے وہ گاڑی سے نکل گئی۔پیچھے والی نے اُترتے ہوئے پوچھا۔کل کتنے بجے لفٹ دے گا، ہم وہیں انتظار کریں گے۔ دونوں ایک ساتھ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ان کی باتوں کو ان سنی کرتا ہوا وہ گاڑی کو تیز بھگاتا ہوا نکل گیا۔"(۱۲)

یہ مرد کردار ویسے تو شریف النفس انسان ہے، لیکن فطرت سے مجبور ہے وہ عورتوں میں بہت دلچسپی لیتا ہے جس کی اسے سزا بھی مل گئی جب اس نے دو عورتوں کو کار میں لفٹ دی تھی۔دراصل رینو جی نے اس مرد کی نفسیاتی کیفیت کو بیان کیا ہے۔مرد کی نفسیات کے مطابق یہ کردار تخلیق کیا گیا ہے۔ان کے مرد زیادہ جارحانہ اور منفی نوعیت کے نہیں ہیں۔رینو بہل کے مرد سماج کے حقیقی کردار نظر آتے ہیں جو عام زندگی میں پائے جاتے ہیں۔ان کے ہاں مرد کو ملزم یا مجرم بنا کر پیش نہیں کیا گیا بلکہ عورت، مرد کو برابری کی بنیاد پر ان کے کرداروں کے صنفی امتیاز کے مطابق پیش کیا ہے، کسی کے ساتھ صنفی تعصب یا جانبدارانہ رویہ نہیں اپنایا گیا۔اس کی مثال افسانہ، "مشرقی لڑکی" کے دو کردار "رشی اور راج" ہیں، رشی اور راج کی جب منگنی ہو جاتی ہے لیکن رشی، راج سے شادی نہیں کرنا چاہتی، وہ وکرم سے پیار کرتی ہے اور گم نام خط لکھ کر راج کو حقیقت بتا دیتی ہے، اس طرح اس کی منگنی ٹوٹ جاتی ہے۔اس افسانے میں بھی مصنفہ نے مرد کی نسبت نسوانی کردار کو موردالزام ٹھہرایا ہے، مرد کردار کو ایک سلجھا ہوا، پختہ ذہن کا کردار بنا پیش کیا ہے۔راج کے پختہ سوچ کی عکاسی مصنفہ نے یوں کی ہے:

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پہناوے کا سوچ سے بھی گہرا تعلق ہے۔ اگر مغربی سوچ کی ہوتی تو ماں باپ سے بغاوت کر دیتی۔مشرقی لڑکی ہے چپ چاپ اپنے دل میں اپنی محبت کو دفن کر کے ڈولی میں بیٹھ جائے گی۔مگر پاپا مجھے ایسی جیو سکنی نہیں چاہیے جو دل میں کسی اور کو بسا کر زندگی سے سمجھوتہ کرلے اور ساری عمر شادی کو فرض سمجھ کر گزار دے۔میں یہ شادی نہیں کروں گا۔"(۱۳)

راج کا کردار ایک سمجھدار مرد کا کردار ہے جو مشرقی لڑکی کی سوچ کو سمجھ کر پرکھ کر فیصلہ کرتا ہے زبردستی کی شادی نہیں کرنی چاہیے۔۔مصنفہ نے یہ ہمارے مشرقی سماج کا المیہ پیش کیا ہے کہ والدین اپنی اولاد سے پوچھے بغیر ان کی منگنیاں طے کر دیتے ہیں اور پھر سماجی پریشر میں آکر منگنی نہیں توڑ سکتے اور شادی کر دی جاتی ہے اور ساری زندگی کا روگ پال لیا جاتا ہے۔۔راج کا کردار ہو یا افسانہ" بادنو بہار چلے"کا ماسٹر جوگندر سنگھ کا کردار دونوں اپنی اپنی حیثیت میں ایک مثالی مرد کردار ہیں۔ماسٹر راج جوگندر سنگھ نے اپنی تعلیم سے پورے گاؤں کی سوچوں اثر انداز ہوا، لڑکیوں کی تعلیم کو عام کیا، عورت کو سماج میں خودمختار بنایا، اپنی بیٹی لاڈلی کو ایک آئیڈیل شخصیت بنایا ہے۔رینو بہل نے راجندر سنگھ جیسے کردار کے ذریعے کئی سماج رکاوٹیں توڑی ہیں، ذات پات، لڑکیوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ خواتین کو معاشرے میں طاقت ور دیکھنا بلکہ اپنی بیٹی لاڈی کو اپنی سوچ کے مطابق تعلیم و تربیت سے باقی لڑکیوں کے مشعل راہ بنا دیا ہے۔

افسانہ " ماں کی ڈائری میں رینو بہل نے دو مختلف خاندانوں سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کی کہانی بیان کی ہے جو ذراسی غلطی کی بنا پر اس ناسور کا شکار ہو جاتے ہیں۔یہ بیماری انسان کو نہ صرف جسمانی طور پر تباہ کرتی ہے بلکہ اس سے انسان نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے۔کیوں کہ اس آفت کی بنا پر اسے ہر طرف سے دھتکارا جاتا ہے۔

افسانہ"مکھوٹے" میں مصنفہ رینو بہل نے مرد کی فطرت کو بیان کیا ہے۔رینو بہل کے نزدیک دھوکا اور بے وفائی مرد کا شیوا ہے۔مرد کی زندگی کی اصل حقیقت کو بیان کیا گیا جو وفا سے خالی اور کوسوں دور ہوتی ہے۔رینو بہل کے نزدیک مرد نے وفاداری کا مکھوٹا اوڑھ رکھا ہے جو محدود اور ایک خاص مدت تک ہوتا ہے۔اس مکھوٹے کے اترجانے کے بعد مرد کی اصلیت و حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔مصنفہ رینو بہل نے افسانہ مکھوٹے کے ذریعے معاشرے کے مردوں پر گہر ا طنز کیا ہے۔جن کے ظاہر اور باطن میں تضاد ہوتا ہے۔

رینوجی لکھتی ہیں :

> "خدا نے عورت اور مرد کو ایک ہی مٹی سے بنایا ہے مگر مردوں میں وفا کا خمیر ڈالنا بھول گیا بھنورے کی خصلت یہ مرد کی فطرت ہے۔"(۱۴)

رینو بہل نے جہاں اس افسانے مکھوٹے میں مرد کی خصلت کو بیان ہے وہیں عورت کی زندگی کی حقیقت کو بھی بیان کیا ہے کہ عورت صرف عزت اور وفاداری چاہتی ہےاگر کوئی سچے دل کے ساتھ دو بول پیار کے بول دےتو وہ زندگی کے عیش و آرام کو تج دیتی ہے۔کم میں گزارا کر لیتی ہے۔اسے محض عزت اور پیار کے دو بول چاہئیں ہوتے ہیں۔رینو بہل نے افسانہ "مکھوٹے" میں اس پہلو کی بھی مؤثر انداز میں عکاسی

کی ہے کہ عورت بڑی وفادار ہوتی ہے۔وہ محبت میں سب کچھ برداشت کر لیتی ہے۔ہر زخم، ہر چوٹ، ہر ستم ، ہر جبر خاموشی سے سہہ جاتی ہے لیکن وہ محبت میں بے وفائی قطعا برداشت نہیں کر سکتی۔رینو بہل نے افسانہ مکھوٹے میں مرد کو محبت کے حوالے سے کمزور پیش کیا ہے۔

رینو بہل نے اپنے افسانوں میں مرد اور عورت دونوں کے کرداروں کی گہری نفسیاتی اور سماجی پیچیدگیوں کو نمایاں کیا ہے۔ان کے افسانوں میں مرد کرداروں کا تجزیہ کرتے وقت ان کی مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنا ضروری ہے، جیسے کہ ان کی جذباتی حالت، سماجی رویے، اور نفسیاتی کشمکش وغیرہ افسانہ "آدھے ادھورے لوگ" میں مرد کردار، بشیر احمد، ایک کامیاب اور خود مختار شخصیت کے مالک ہیں، لیکن ان کی کامیابی اور خود مختاری کے پیچھے ایک گہری تنہائی اور جذباتی خلا پوشیدہ ہے۔بشیر احمد بظاہر معاشرتی معیارات کے مطابق کامیاب ہیں، لیکن ان کی ذاتی زندگی میں وہ جذباتی طور پر الگ تھلگ ہیں۔بشیر احمد اپنی بیوی کے ساتھ تعلقات میں ایک رسمی اور سرد رویہ رکھتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی جذباتی زندگی میں کمی ہے۔ان کا رویہ اس بات کی علامت ہے کہ مردانگی کو صرف معاشرتی کامیابی سے نہیں ناپا جا سکتا، بلکہ جذباتی اور انسانی تعلقات کی بنیاد پر بھی اس کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔

افسانہ "سایہ" میں مرد کردار، کرشن لال، ایک روایتی اور قدامت پسند شخصیت کے حامل ہیں۔وہ اپنی بیوی کو کنٹرول کرنے اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کرتے ہیں۔کرشن لال کا کردار روایتی مردانگی کے ان پہلوؤں کی نمائندگی کرتا ہے جن میں مرد عورت پر غالب رہنے کی کوشش کرتا ہے۔کرشن لال کا اپنی بیوی کے ساتھ رویہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس کی آزادی اور خود مختاری کو محدود کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ان کے کردار کا یہ پہلو اس بات کی علامت ہے کہ روایتی مردانگی میں عورت کی خود مختاری کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

افسانہ "ایک رات" کا مرد کردار، جمیل، ایک حساس اور جذباتی انسان ہے جو اپنے اندرونی جذبات کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ جمیل کا کردار اس بات کی علامت ہے کہ مردانگی کے روایتی تصورات کے باوجود مرد بھی جذباتی اور نازک ہو سکتے ہیں۔ جمیل ایک رات کے دوران اپنی ماضی کی یادوں میں کھو جاتا ہے اور اپنی محبت کے کھو جانے پر افسردہ ہوتا ہے۔یہ کردار روایتی مردانگی کے تصورات کے برخلاف ایک جذباتی اور حساس پہلو کی نمائندگی کرتا ہے۔

افسانہ "پرچھائیں" میں مرد کردار، انور، ایک انتقامی اور جذباتی طور پر کمزور شخصیت کا مالک ہے۔ وہ اپنی ناکامیوں اور تلخیوں کو دوسروں پر نکالنے کی کوشش کرتا ہے، جس سے اس کے کردار میں ایک منفی پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ انور اپنی ناکامیوں کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہراتا ہے اور ان سے بدلہ لینے کی کوشش کرتا ہے۔یہ کردار اس بات کی علامت ہے کہ مردانگی کی بعض صورتیں منفی جذبات اور انتقامی رویوں کی نمائندگی کر سکتی ہیں۔

رینو بہل کے افسانوں میں مرد کرداروں کا تجزیہ کرتے وقت یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ مردانگی کے مختلف پہلوؤں کو بڑی باریکی سے پیش کرتی ہیں۔ان کے کرداروں میں تنہائی، جذباتی کشمکش، روایتی مردانگی، اور منفی جذبات جیسے عناصر موجود ہیں۔ یہ کردار نہ صرف روایتی مردانہ صفات کی نمائندگی کرتے ہیں بلکہ ان کی نفسیاتی اور جذباتی پیچیدگیوں کو بھی

اجاگر کرتے ہیں۔ رینو بہل نے اپنے افسانوں میں مرد کرداروں کے ذریعے معاشرتی مسائل اور انسانی جذبات کی گہرائی کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

بھارتی افسانہ نگاروں میں عصر حاضر کے منظر نامہ میں ایک اہم نام **سلمی صنم** کا بھی آتا ہے۔ سلمی صنم کی کہانیوں میں اکثر مختلف قسم کے مرد کردار ہوتے ہیں، جن میں باپ، شوہر ، بھائی اور دوست شامل ہیں۔ یہ کردار خواتین کرداروں کی زندگیوں میں مختلف کردار ادا کرتے ہیں، اور ان کی تصویر کشی صنفی کرداروں اور رشتوں کے آس پاس کے معاشرتی رویوں اور توقعات پر روشنی ڈالتی ہے۔ مردانہ کرداروں کی تصویر کشی کو پدرانہ معاشروں میں خواتین کو در پیش چیلنجوں کی عکاسی کے ساتھ ساتھ صنفی کرداروں اور تعلقات سے متعلق معاشرتی اصولوں اور توقعات کی تنقید کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

سلمی صنم کا افسانہ ''طور پر گیا شخص'' کی کہانی محبت اور فراق کی کہانی ہے۔ زینت اور شہاب کا کسی جگہ ٹکرا ہو جاتا ہے۔ زینت کو پہلی نظر میں شہاب سے پیار ہو جاتا ہے۔ ان کا یہ پیار وقت کے ساتھ شادی میں بدل جاتا ہے۔ دونوں بہت خوشی سے زندگی گزار رہے ہوتے ہیں لیکن کہانی میں موڑ اس وقت آتا جب شہاب کہتا ہے اسے ملازمت کے لیے دوبئ جانا ہے۔ زینت چاہتی ہے وہ اسے ساتھ لے جائے گا لیکن وہ نہیں لے جا سکتا۔ مصنفہ اس کی تصویر کشی یوں کرتی ہے:

> ''نہیں نہیں ، آپ مجھے چھوڑ کر مت جایئے۔ کچھ دنوں کی ہی تو
> بات ہے زینی پھر میں تمھیں اپنے پاس بلا لونگا'' ابھی لے چلئے۔
> ''ابھی پاسپورٹ بھی نہیں بنا ہے۔ مجھے نہیں پتہ، مجھے بس آپ کے
> ساتھ رہنا ہے''(۱۵)

مگر وہ شہاب کے ساتھ کہاں رہ پاتی ، وہ پگلی تھی یہ نہیں جانتی تھی کہ ملکوں کی سرحدیں رشتوں کے درمیان کسی خلیج کی طرح حائل ہو جاتی ہیں جنہیں پار کرنا اتنا آسان نہیں۔ شہاب دوبئ چلا گیا اور یکا و تنہا رہ گئی۔ اپنے ارمانوں کی دنیا میں بیگانوں کی طرح، اپنی ہی سرزمین پر اجنبی کی طرح اپنے ہی گھر میں پرائے کی طرح۔ وہ پاسپورٹ بنوائے ویزے کی منتظر رہی مگر ویزا کبھی نہ آیا۔ شہاب ہمیشہ کسی ٹوٹے پھوٹے ریکارڈ کی طرح اس کی یاد میں رہ گیا۔

شہاب بھی معاشی، سماجی، ذاتی، اور پیشہ ورانہ مجبوری کے تحت دیار غیر میں رہ رہا تھا۔ غیر ملکی ملازمتیں اکثر زیادہ آمدنی فراہم کرتی ہیں، جو مالی مشکلات کا سامنا کرنے والے خاندانوں کے لیے اہم ہوتی ہیں۔ اس لیے شہاب بہتر مستقبل کے لیے غیر ملک میں محنت کرتا ہے تاکہ وہ اپنے خاندان کو زیادہ بہتر زندگی فراہم کر سکے۔ پھر اسے امیگریشن قوانین اور ویزا کی پیچیدگیاں بھی خاندان کے ساتھ رہنے میں رکاوٹ بن گئی۔ ساتھ ہی خاندانی مسائل اور ذمہ داریوں نے شوہر کو غیر ملک میں رہنے پر مجبور کر دیا۔ دوری کی وجہ سے شوہر اور بیوی

کے درمیان رابطہ مشکل ہو گیا تھا جو رشتے پر اثر انداز ہو ا، یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جسمانی دوری جذباتی فاصلہ پیدا کر دیتی ہے، جو رشتے کی مضبوطی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

یہی صورت حال شہاب اور زینت کے رشتے میں پیدا ہو گئی تھی۔ بہ طور مرد کردار شہاب ایک متوازن اور اعتدال نوعیت کا کردار ہے وہ بیوی سے پیار بھی کرتا ہے، اس کی ہر بات ماننا بھی چاہتا ہے لیکن مجبوریوں میں بری طرح گھرا ہوا مرد کردار ہے۔ دراصل مصنفہ نے اس کردار کے ذریعے پردیس میں رہنے والوں کے مسائل اور مجبوریوں کو عیاں کیا ہے۔ سلمی نے مرد کرداروں کو اعتدال میں پیش کیا گیا ہے ان کے مرد صرف ولن یا دو نمبر قسم کا نہیں ہے بلکہ ان میں ایک توازن معلوم ہوتا ہے۔ عورتوں کے مسائل کا موجب صرف مرد کو نہیں دکھایا گیا۔ ان کا مرد سماج کا ایک نارمل انسان معلوم ہوتا ہے۔ افسانہ ''تکمیل'' کا مرد کردار ''راج''، افسانہ 'پگا' کا ''پگلا'' ایسے ہی کردار ہیں۔ سلمی صنم کے مردانہ کردار جذباتی طور پر پیچیدہ ہوتے ہیں۔ وہ محبت، وفاداری، اور قربانی جیسے جذبات کے درمیان پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں مردانہ کرداروں کی جذباتی زندگی کو گہرائی سے بیان کیا گیا ہے، جہاں وہ اندرونی تنازعات اور ماضی کی یادوں سے نمٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سلمی صنم کے مردانہ کرداروں کی نفسیاتی کشمکش ان کے افسانوں کا اہم جزو ہے۔ یہ کردار اکثر زندگی کے مختلف مراحل پر خود شناسی اور شناخت کے مسائل کا سامنا کرتے ہیں۔ ان کی زندگی میں آنے والے چیلنجز اور حادثات ان کے رویے اور سوچ میں گہرے اثرات چھوڑتے ہیں، جو کہ افسانوں کی داستان کو مزید پیچیدہ بناتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں مردانہ کرداروں کے رشتوں کا تجزیہ بھی ایک اہم موضوع ہے۔ یہ کردار اپنے خاندان، دوستوں، اور محبت کرنے والوں کے ساتھ تعلقات میں متوازن رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان رشتوں میں پیدا ہونے والے تنازعات، قربانیوں، اور محبت کے جذبات کو سلمی صنم نے بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔

مردانہ کرداروں کی شناخت اکثر معاشرتی توقعات سے جڑی ہوتی ہے۔ سلمی صنم نے اپنے افسانوں میں ان کرداروں کی شناخت کی کشمکش کو دکھایا ہے جہاں وہ سماجی توقعات کے بوجھ تلے دبے ہوتے ہیں اور اپنی حقیقی شخصیت کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں۔ سلمی صنم کے افسانوں میں مردانہ کرداروں کا جائزہ لیتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بہت متنوع اور گہرائی والے ہیں۔ ان کے ہاں ایک اعتدال پسندی نظر آتی ہے۔ وہ مرد کو ہر معاملے میں قصور وار نہیں ٹھہراتی۔ وہ مرد اور عورت میں توازن کا ماحول روا رکھنے کی کوشش میں دکھائی دیتی ہیں۔ مجموعی طور پر ان کے مرد کرداروں کی پیچیدگی اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سلمی صنم نے بڑی مہارت سے پیش کیا ہے، جو کہ ان کے افسانوں کو قارئین کے لئے دلچسپ اور متفکر بناتے ہیں۔

بھارتی خواتین افسانہ نگاروں نے جس مرد کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ وہ کوئی خاص طرح کا مرد نہیں، مشرق ہو یا مغرب اس میں مرد کا رویہ اس کے ماحول کا پروردہ ہے جس میں وہ رہ رہا ہوتا ہے۔ اگر ان کے مرد کے تصور کی بات کریں تو یہاں نفسیاتی مطالعہ، سماجی ثقافتی تقسیم، پدرانہ نظام، طبقاتی تقسیم، خواندگی ناخواندگی، گاؤں اور شہر کے مزاج

اور کلچر کا فرق، روشن خیال و قدامت پسندی، مذہبی اور سائنسی عناصر، عقلیت پسندی، مشرقی مرد، مشرقی ذہنیت، جدیدیت پسندی، وجودیت، نو آبادیاتی اثرات، مغربی مرادنہ ذہنیت، مابعد نو آبادیاتی اثرات کا مرد اور بھی کئی تصورات شامل ہو سکتے ہیں۔

ان تمام رجحانات کے مختلف اثرات مرد کرداروں کے ذریعے مرد کو واضح کرتے ہیں۔ بھارتی خواتین افسانہ نگاروں کے افسانوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے ہر ماحول، معاشرہ انسان کی سوچ پر اثرات چھوڑتا ہے۔ یہی اس کے تصورات کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ بھارتی افسانہ نگاروں نے اپنی زندگی کے مختلف تجربات کو حقیقی اور افسانوی رنگ میں مرد کرداروں کے ذریعے مختلف تصورات پیش کیے ہیں۔ ہر کسی نے اپنے سماج اور ذاتی خیالات کے مطابق مرد کے بدلتے رویوں کو اجاگر کیا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں مرد کی ذہنیت کو معاشرے میں عیاں کیا ہے۔ تصور مرد سے یہاں پر ہرگز مراد یہ نہیں کہ اس پر بے بنیاد الزامات لگاتے ہیں لیکن جو مرد ہے وہ تو ازل سے وہی ہے۔ جو انا، اپنی برتری کا قائل ہے یہی اس کے بنیادی تزکیری پہلو ہیں۔

تصور مرد سے مراد مرد کی مکمل ذہنیت و شخصیت ہے جس میں اس کا ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے روپ اور کردار ہمارے سامنے آتے ہیں۔ خواہ وہ جس زمانے کی ہوں یا جس خطے کی ہوں، وہ خواتین بھارتی ہوں یا پاکستانی افسانہ نگار، انہوں نے اپنے افسانہ میں مردوں کی حقیقی اور انتشار زدہ شخصیت کو پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ معاشرے میں عورت کی زندگی میں جتنے بھی مسائل آتے ہیں۔ ان سب کا ذمہ دار کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی انداز میں مرد ہی ہوتا ہے۔ عورت کے استحصال میں ہی مرد کے ہزاروں روپ ہمارے سامنے آتے ہیں۔ سب سے اہم اور بنیادی بات یہ بھی ہے کہ زندگی میں سب کا تجربہ ایک جیسا نہیں ہوتا۔

شروع شروع کی خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں مرد کہیں مجازی خدا تھا تو کہیں پرپتی پرمیشور نظر آیا جس کا ہر حکم بجالانا اور اس کی خدمت کرنا عورت کا اولین فریضہ تھا۔ جس پر مذہبی تعلیمات کا واضح اثر دیکھا جا سکتا ہے اور عورت کو گھر داری کی تعلیم کے سوا بقیہ تعلیم اضافی شئے سمجھی جاتی تھی مگر جیسے جیسے تانیثی فکر کی روشنی پھیلی تو خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں پہلے پہلے اپنے بنیادی حقوق کے حصول کے آواز بلند ہوئی جو رفتہ رفتہ عہد حاضر تک آتے آتے معاشرے میں مرد مساوی حقوق کے ساتھ ساتھ جداگانہ شناخت تک پہنچ گئی۔ بھارتی خواتین افسانہ نگاروں کی طرف سے جو بات مشترکہ طور پر ابھر کر سامنے آئی ہے وہ مرد سے زیادہ معاشرے کی قائم شدہ مرد اساس روایات کو دوش دیتی نظر آئی ہیں۔ وہ روایات اتنی سخت ہیں کہ اگر کوئی مرد خود کو تبدیل کرنا بھی چاہے تو ان روایات کے دباؤ میں وہ اس چیز کا کھل کر اظہار نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بھی ایک بڑی تبدیلی ہے کہ ایک بڑی چٹان کے پیروں سے ریت سرکنا شروع ہو گئی ہے۔ معاشرے کے بڑے حصے میں نہیں تو کم از کم ایک دو فی صد مرد اب کھل کر مساوی انسانی حقوق کے نہ صرف حامی نظر آتے ہیں بلکہ وہ اس سے متعلق لکھ بھی رہے ہیں۔

مجموعی طور پر خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں یہی تاثر دیا گیا ہے اور یہی تصور مرد دیکھنے کو ملتا ہے کہ جبر واستحصال کا ذمہ دار مرد کو ہی ٹھہرایا گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مرد ہی معاشرے کی روایات واقدار کا بنانا والا ہے اور وہی نئی نسل کی تربیت کر کے ان روایات کو اگلی نسل میں منتقل کرتا ہے۔ مرد ہی معاشرے میں مرد اور عورت کے کردار کا تعین کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے اس کے مطابق ہی اس کی صنفی پرورش ہوتی ہے۔ لہذا مرد اگر چاہے تو وہ عورت کو وہ کردار دے سکتا ہے جس کی عورت مانگ کرتی ہے۔ اگر مرد اپنی قائم کردہ روایات میں لچک لائے تو وہ عورت کو بھی مساوی انسانی حقوق دے سکتا ہے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ ظالم بھی ہے اور جابر بھی۔ کیونکہ معاشرے کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہی مجموعی تصور ان خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں ملتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عصمت چغتائی، دوہاتھ، مشمولہ: دوہاتھ، دہلی: مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۲، ص:۱۷

۲۔ فخر الاسلام اعظمی، عصمت چغتائی کی افسانہ نگاری، مشمولہ: مقالات سرسید سے مضامین رشید تک ، کالج، اعظم گڑھ، ۱۹۸۵، ص:۱۷۸، ۱۸۰

۳۔ قرۃ العین حیدر، ہاؤسنگ سوسائٹی ، مشمولہ: پت جھڑ کی آواز، دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۴۸، ص :۳۲۸

۴۔ قرۃ العین حیدر، پرانی کہانی ، مشمولہ: میرے بہترین افسانے، لاہور: رفعت پبلشرز، ۱۹۸۱، ص:۱۶۴

۵۔ قرۃ العین حیدر، سنگھاردان ، مشمولہ: فصل گل آئی یا اجل آئی، لاہور: مکتبہ اردو ادب، ۱۹۷۸، ص: ۶۵

۶۔ مسرت جہاں، قرا ۃالعین حیدر کی افسانہ نگاری (ایک تنقیدی مطالعہ) دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز ، ۱۹۹۵، ص:۱۰۹، ۱۱۰

۷۔ جیلانی بانو ، ریل کی پٹڑی پر پڑی ہوئی کہانی، مشمولہ: یہ کون ہنسا، لاہور : سنگ میل پبلی کیشنز ، ۲۰۱۷، ص:۱۰۸

۸۔ عرفان منشی، جیلانی حیات اور کارنامے، مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی، ی، سری نگر، پوسٹ گریجویٹ ڈیپارٹمنٹ آف اردو کشمیر یونیورسٹی، ۲۰۰۵، ص:۵۷

۹۔ واجدہ تبسم، پیش بندی، مشمولہ: اترن، بمبئی: اور سینٹر بک سنٹر، ۱۹۷۷، ص: ۲

۱۰۔ واجدہ تبسم (س۔ن) ذراہور اوپر، مشمولہ:واجدہ تبسم کے شاہکار افسانے، مرتب: عرفان علی، لاہور: رحمٰن بک ہاؤس، ص:۲۷۴
۱۱۔ لال ذاکر، رینو بہل کی افسانہ نگاری، مشمولہ:خوشبو میرے آنگن کی، دہلی :موڈرن پبلشنگ ہاؤس ،۲۰۱۰ ،ص۹
۱۲۔رینو بہل، لفٹ، مشمولہ:خاموش صدائیں، دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۱۳، ص:۳۵
۱۳۔ رینو بہل، مشرقی لڑکی ، مشمولہ:خاموش صدائیں، دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۱۳، ص:۳۹
۱۴۔رینو بہل، مکھوٹے، مشمولہ:ڈوبتی نسلیں، دہلی: پبلشنگ ہاؤس،۲۰۲۱ ،ص:۱۱۴
۱۵۔ سلمی صنم،، طور پر گیا ہوا شخص، مشمولہ: طور پر گیا ہوا شخص، کرناٹک: اردو اکادمی،۲۰۰۷،ص:۲۴